حضرت مولانا سید زوار حسین شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

سیرتِ رسول اللہ ﷺ

پروردگارِ کائنات نے موجوداتِ عالم میں ہر شئے کی خلقت کے ساتھ اس کی ہدایت کے سامان بھی پیدا کئے ہیں اور اس عالمِ کون و فساد میں مادّی نشو و نما اور روحانی ارتقا، دونوں کے لئے اسباب مہیا فرمائے ہیں، جب زمین تشنہ ہوتی ہے، گرمی اور خشک سالی سے مخلوق بیقرار ہو جاتی ہے تو آسمان پر گھٹائیں اُمنڈنے لگتی ہیں جن کو دیکھ کر بیقرار و پریشان نگاہوں میں مسرت کی لہر دوڑ جاتی ہے، خوف و پریشانی امید میں بدل جاتی ہے پھر بارش کے قطرے رحمت بن کر برستے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ہر سمت جل کے تھل ہو جاتے ہیں اور ہر طرف ہریالی اور سرسبزی پھیل جاتی ہے جس سے ہر ذی حیات کے لئے غذا اور طمانیت کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں اس قسم کے بیشمار مظاہرِ قدرت ہمیں بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز بھی پیدا کی ہے اس کی نشو و نما اور تحفظ و بقا کے ساز و سامان بھی تخلیق فرمائے ہیں، انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے اور جسم و روح سے مرکب ہے اس کی جسمانی نشو و نما اور روحانی ارتقا و بقا کے لئے بھی ہر قسم کی ضروریات پیدا فرمائی ہیں۔

جب شیطانی و طاغوتی طاقتیں انسان کی روحانی ارتقا کی راہ میں روڑے اٹکاتی ہیں اور معصیتیں ہر طرف تباہی و فساد پھیلاتی ہیں، انسان کی معاشرتی زندگی اجیرن بن جاتی ہے، معاشی، اقتصادی، مادّی، روحانی ہر طرح کا ارتقاء ایک جمود و تعطل کا شکار ہو جاتا ہے تو پروردگارِ عالم کی رحمت جوش میں آتی ہے اور وہ کسی عظیم انقلابی شخصیت کو بھیجتا ہے جو دنیا میں ایک ایسا ہمہ سمتی انقلاب لاتی ہے جو بیک وقت سماجی اور معاشرتی بھی ہوتا ہے اور اقتصادی اور معاشی بھی، مادّی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی، یہ برگزیدہ ہستی نبی و پیغمبر ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو دنیا میں مبعوث فرمانے کی ضرورت و اہمیت اور غرض و غایت کو قرآن مجید میں متعدد جگہ ارشاد فرمایا ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے!

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَّاحِدَةً قف فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ
وَمُنْذِرِيْنَ ص وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوْا فِيهِ ط وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ
مِنْ بَعْدِ مَاجَآءَ تْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا م بَيْنَهُمْ ط فَهَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ
اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ط وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ
يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۱)

"سب لوگ ایک ہی دین پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بھیجے جو کہ خوشخبری سُناتے اور ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب نازل کی تاکہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان اُن کے اختلافی امور میں فیصلہ فرما دے اور اس کتاب میں اختلاف انہی لوگوں نے کیا جن کو وہ کتاب ملی تھی اور ان کے پاس واضح دلائل پہنچ چکے تھے اور انہوں نے یہ اختلاف باہمی ضد کی وجہ سے کیا، پھر اب اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو اپنے حکم اور فضل سے امرِ حق کی ہدایت کی جس میں وہ اختلاف کیا کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ کسی زمانے میں تمام انسان ایک ہی مذہب و ملت اور عقیدہ و خیال پر تھے جو ملتِ حق اور دینِ فطرت تھا کیونکہ دنیا میں اوّل بنی نوعِ انسان کے باوا حضرت آدم علیہ السلام مع اپنی زوجۂ محترمہ کے تشریف لائے اور خلافتِ الٰہیہ کا تاج اُن کے سر پر رکھا گیا، اُن سے جو اولاد ہوئی تھی وہ ان کو دینِ حق کی تعلیم دیتے رہے اور ان کی اولاد اس تعلیم پر عمل کرتی رہی، ایک زمانہ اسی حالت میں گزر گیا، پھر اُن لوگوں میں مزاج و مذاق اور رائے و فکر کے مختلف ہونے کی وجہ سے اختلاف ہونا شروع ہوا حتیٰ کہ ایک عرصہ بعد اُن کے عقائد و اعمال میں بھی اختلاف کی نوبت آگئی اور یہ امتیاز و فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا کہ ان عقائد و اعمال میں کونسا حق ہے اور کونسا باطل ہے، اللہ تعالیٰ نے اس اختلاف کو رفع کرنے کے لئے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا جو ان لوگوں کو صحیح عقائد و اعمال کی تعلیم دیتے، اُن پر عمل کرنے والوں کو بشارت سناتے اور اُن تعلیمات کے نہ ماننے والوں کو آخرت کے عذاب سے ڈراتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے اُن انبیاء علیہم السلام پر اپنی کتابیں اور

صحیفے نازل فرمائے جن میں صحیح احکام و عقائد کو کھول کر بیان کیا گیا تھا۔ انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کے نازل فرمانے کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے اختلافی امور کا فیصلہ فرما دے اور حق کو باطل سے جُدا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کے آنے کے بعد چاہئے تو یہ تھا کہ سب لوگ اُن کو قبول کر لیتے اور اپنے سب اختلافات مٹا دیتے مگر ہوا یہ کہ بعض نے آسمانی کتابوں کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلاف کرنا شروع کر دیا، اس طرح لوگ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے ایک وہ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہدایت کو قبول کیا اور انبیائے کرام علیہم السلام کی پیروی کی اُن کو مؤمن کہا جاتا ہے، دوسرے وہ جنھوں نے آسمانی ہدایت اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا اور ان کی بات نہ مانی یہ لوگ کافر کہلاتے ہیں۔

اس آیتِ مبارک کے مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ ابتدائے عالم میں تمام انسان ایک ہی عقیدے کے قائل و پابند تھے پھر رفتہ رفتہ ان میں اختلافات رُونما ہو گئے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کو بھیجا جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کیا وہ مؤمن کہلائے اور جن لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ اُن سے جداگانہ قوم یعنی کافر قرار دیئے گئے۔

اس آیتِ مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ازل سے سنّت اللہ اسی طرح جاری ہے کہ جب لوگوں میں برائیوں اور بداعتقادیوں کا زور بڑھ جاتا ہے اور حق سے روگردانی عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی نبی کو مبعوث فرماتا ہے جو لوگوں کو ہدایت کی طرف بُلاتا اور حق کو باطل سے جدا کرتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی سنتِ جاریہ ہے کہ ہر دور میں برے لوگ ہر نبیٔ مبعوث اور ہر کتابِ الٰہی سے اختلاف کرنے کو پسند کرتے اور ان سے مقابلہ و مخالفت کرنے میں اپنا زور خرچ کرنے پر آمادہ و برسرِ پیکار رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ○ (۲)

میں نے جنّوں اور انسانوں کو صرف اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کیا کریں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اپنی زندگی اس طرح بسر کرے کہ اس سے کوئی حرکت اور کوئی فعل ایسا سرزد نہ ہو جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اُسے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کیا ہے وہ کونسے کاموں کو پسند فرماتا ہے اور کونسے کاموں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اس میں سے ایک چیز انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک، منہ، اور ہاتھ پاؤں ہیں، دوسری چیز عقل اور تیسری چیز وحی ہے، انسان کو بہت سی چیزیں حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں اور بہت سی عقل کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں ان کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے، ان تینوں ذرائع میں سے ہر ایک کا مخصوص دائرۂ کار اور ایک خاص حد ہے جس سے آگے وہ کام نہیں دیتا چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں اُن کا علم محض عقل سے نہیں ہو سکتا مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید، سرُخ یا سبز ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھ کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوتا ہے صرف حواس کے ذریعے نہیں ہو سکتا آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لئے عقل کی ضرورت ہے۔ غرضیکہ جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی اور جہاں حواسِ خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے لیکن عقل کی رہنمائی بھی ایک حد تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوگا اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا نہ حواس کے ذریعے ممکن ہے اور نہ ہی عقل کے ذریعے، اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو وحی کے ذریعے حاصل ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو منتخب فرما کر اس کو اپنا پیغمبر قرار دیتا

ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے اسی کلام کو وحی کہتے ہیں، کچھ پیغمبر ایسے بھی ہوئے ہیں جو کسی دوسرے نبی پر اُتری ہوئی کتاب کے مطابق فرائضِ نبوت انجام دیتے ہیں اس لئے ہر نبی پر کتاب کا نازل ہونا لازمی نہیں ہے، جس خالقِ کائنات نے آسمان، زمین، چاند، سورج، سیاروں، ستاروں، باد و باراں اور گرمی سردی وغیرہ کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان کو پیدا کرنے کے بعد اس کو بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو اور اُس کو یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے، یہاں اس کے ذمےّ کیا کیا فرائض ہیں، اس کی منزلِ مقصود کیا ہے اور کس طرح اس منزلِ مقصود کو حاصل کر سکتا ہے، ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا فرمایا ہے جیسا کہ آیتِ قرآنی سے بیان ہو چکا ہے کہ اس کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہے، جن کاموں کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اُن کو بجالانا اور جن کاموں سے منع کیا ہے اُن سے رُک جانا ہے، اس مقصد کی رہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے اس باقاعدہ نظام کا نام رسالت و وحی ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہم حواسِ ظاہری و عقل کے ذریعے یہ معلوم نہیں کر سکتے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کونسے کام پسندیدہ ہیں اور کونسے ناپسندیدہ ہیں، ان کے معلوم کرنے کے لئے وحیِ الٰہی کی ضرورت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے کسی برگزیدہ بندے پر نازل فرماتا ہے جس کو نبی یا رسول یا پیغمبر کہتے ہیں اس سے عقلی و نقلی طور پر انبیائے کرام کی اس دنیا میں تشریف آوری اور اُن پر آسمانی کتابوں کے نازل ہونے کی اہمیت معلوم ہو گئی اور واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ وحی و رسالت محض اعتقادی چیز ہی نہیں ہے بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمتِ بالغہ کا انکار ہے۔

تاریخ کی دنیا میں ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص نمایاں حیثیت کے مالک ہوئے ہیں جنھوں نے نظامِ عالم کو چلانے کے لئے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ ایک طرف شاہانِ عالم کے پُر شکوہ دربار ہیں جو ملک و قوم کی ترقی کے لئے نمایاں کردار ادا کرنے کے اجارہ دار ہیں ایک طرف سپہ سالارانِ افواج ہیں جو قوموں کی تقدیروں کے بدلنے کے دعویدار ہیں، ایک طرف حکما اور فلسفیوں کا سنجیدہ طبقہ ہے جو فلسفوں اور حکمتوں کی موشگافیوں سے نظامِ عالم کو

درست کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں، ایک طرف فاتحینِ عالم کا گروہ ہے جو تمام عالم کو ایک قومیت کی زنجیر میں داخل کرنے کا مدعی ہے، ایک طرف شعرائے کرام کی بزمِ رنگین ہے جو تقدیرِ امم کے دھارے کو موڑنے کے لئے کوشاں ہے، ایک طرف تاجروں، دولتمندوں، کارخانہ داروں اور خزانوں کے مالکوں کی جماعتیں اور ان کی گدیاں اور تجوریاں ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام دنیا کا سماجی معاشرتی اور معاشی نظام اُن ہی کے سہارے چل رہا ہے، اس میں شک نہیں کہ بڑے بڑے فاتحین اور سپہ سالاروں نے اپنی تلوار کی نوک سے دنیا کے طبق اُلٹ دیئے، شاعروں نے اپنی خیالی شاعری سے لوگوں سے دادِ قابلیت حاصل کی، حکما اور فلسفیوں نے حکمت و فلسفے کے چشمے بہا کر مخلوق کو سیراب کیا، نظامِ عالم کے نقشے بدل دیئے، حیرت انگیز نظریئے پیش کئے، اہلِ ثروت نے تعمیرِ ملت و قوم میں خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اس لئے ہم ان سب طبقات کے بزرگوں کے احسان مند ہیں لیکن انہوں نے انسان کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی نمونہ نہیں چھوڑا، اور اوہامِ فاسدہ و خیالاتِ باطلہ کی کوئی زنجیر ان کی تلوار سے نہ کٹ سکی۔ ان کی شیریں زبانیوں کے پیچھے ان کے حُسنِ عمل کا کوئی خوشنما نمونہ موجود نہ تھا۔

بنی نوعِ انسان کی بھلائی، اعمال کی اچھائی، اخلاق کی بہتری، دلوں کی صفائی اور انسانی اقدار و قویٰ میں اعتدال و میانہ روی کی کامیاب کوشش اگر کسی انسانی طبقے نے انجام دی ہے تو وہ صرف اور محض انبیائے کرام و رسولانِ عظام کا طبقہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مبعوث فرمایا ہے، ان حضرات کی تعلیم و تربیت اور عمل و اصلاح کے سرچشمے سے بادشاہ و رعایا، امیر و غریب جاہل و عالم، شہری و دیہاتی، مرد و زن اور پیر و جوان سب ہی کو برابر فیض پہنچا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا یہ سلسلہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر یونہی چلتا رہا کہ جب لوگ راہِ حق سے بھٹکے اور گمراہی و بے دینی و بدعات و شرک کا عام دور دورہ ہوا تو ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا اور کتاب نازل فرمائی تاکہ لوگ اس نبی پر ایمان لائیں اور اس کتاب کے موافق عمل کریں پھر وہ نبی اس دنیا سے پردہ فرما گیا اور مرورِ زمانہ کے ساتھ لوگوں میں گمراہی و بدعات وغیرہ بے دینی کے امور کا عام چرچا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو راہِ حق پر لانے کے لئے دوسرے نبی اور کتاب کو بھیج دیا

اور اس زمانے کی ضروریات کے مطابق اصلاحی احکامات نازل فرمائے۔ گزشتہ زمانوں میں جو انبیائے کرام آتے رہے وہ اپنے اپنے علاقے کے لوگوں کے لئے ایک محدود زمانے تک کے لئے احکامِ شریعت لاتے تھے اور اگر کوئی عالمگیر شخصیت مبعوث ہوئی تو اس کی شریعت بھی ایک مخصوص زمانے تک قائم رہی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے دوسرا پیغمبر بھیجا اور دوسری شریعت نازل فرمائی، سب شریعتیں اصول میں متحد تھیں اور فروع میں اپنے اپنے زمانہ کے مطابق احکام سکھاتی تھیں بالآخر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے نبی و مرسل کو مبعوث فرمایا جو خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جن کے بعد کسی بھی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا، اور ان کو ایک کتاب عطا فرمائی جو تمام کتبِ سابقہ کی ناسخ اور احکاماتِ الٰہیہ کی جامع و مکمل ہے، ان کو دینِ اسلام دیا جو تمام ادیان کا ناسخ اور ہر لحاظ سے مکمل و جامع دین ہے، اللہ تعالیٰ اُن کی شان میں فرماتا ہے!

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ
رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ (۳)

آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کیا۔

پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں تحریف ہو کر اُن انبیائے کرامؑ کی تعلیمات کے ضائع و گم ہونے کا جو سلسلہ اوپر سے چلا آرہا تھا جس کی وجہ سے دوسرے نبی اور دوسری کتاب کی ضرورت پیش آتی تھی اس کا اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ خود لے لیا اور قرآن کریم کے الفاظ و آیات و اس کی تعلیمات کو قیامت تک اُن کی اصلی صورت میں قائم و باقی رکھنے کے لئے امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرمالیا جو ہمیشہ دین پر قائم رہ کر کتاب و سنت کی صحیح تعلیم مسلمانوں میں شائع کرتی رہے گی۔ کسی کی مخالفت و عداوت اس پر اثرانداز نہیں ہو سکے گی، اس کے بعد دروازۂ نبوت و رسالت اور وحی کا بند ہو جانا ناگزیر امر تھا۔ اس لئے ختمِ نبوت کا اعلان فرمادیا اور فرمایا!

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ○ (۴)

”محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے !

لا نبی بعدی (۵)

”میرے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

آپ ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری سے پہلے تمام دنیا کی حالت ناگفتہ بہ تھی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور ہوئے چھ ۶ صدیاں گزر چکی تھیں، دنیا کی آبادی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ذریعہ حاصل ہوئی صداقتِ حق کو فراموش کر چکی تھی تمام نوع انسانی اللہ تعالیٰ کی بجائے مظاہر پرستی میں مبتلا تھی۔ سورج، چاند، ستاروں، حیوانوں، درختوں، پتھروں، آگ، پانی، ہوا اور مٹی کی پرستش ہو رہی تھی، کوئی کسی انسان کو خدا کا اوتار مانتا تھا تو کوئی خدا کا بیٹا قرار دیتا تھا۔ اگر ایک گروہ مادہ پرست تھا تو دوسرا گروہ اپنی روح یعنی آتما ہی کو خدا سمجھتا تھا۔ (۶) اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و صمدیت کا کوئی خالص تصور نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کی پرستش و عبادت کی جاتی تھی تو دوسروں کے واسطے سے کی جاتی تھی اور خالق موجودات کو مانا جاتا تھا تو!

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ○ (۷)

”اللہ تعالیٰ کے علاوہ دوسرے معبود۔“

کے ذریعے سے مانا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ○ (۸)

”ہم ان کو صرف اس لئے پوجتے ہیں تاکہ یہ خدا کی طرف ہماری قربت کا ذریعہ بن جائیں۔“

تاریکی کا دورہ دورہ تھا، ظلم و ستم کی آندھیاں چل رہی تھیں، لڑکیوں کو زندہ دفن کر

دیا جاتا تھا۔(۹) بھائی بھائی کا دشمن تھا، شرک وبدعات کے اندھیرے چھائے ہوئے تھے، رسم ورواج کی سیاہ گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، اسی طرح پوری دنیا اور بالخصوص خطۂ عرب ہر قسم کی برائیوں اور خرابیوں کی سب سے بڑی آماجگاہ تھا، ایسے حالات میں چھٹی صدی عیسوی کے وسط میں خطۂ عرب کے عظیم و مبارک شہر مکۂ معظمہ میں رحمتِ الٰہی کی بدلیوں میں ایک عالمگیر نمو ہوئی۔ جس کے فیضانِ عام نے تمام ہستیٔ کائنات کو سرسبزی و شادابی کی بشارت سنائی۔ یہ ہدایتِ الٰہی کی تکمیل اور شریعتِ ربانی کے ارتقا کا آخری مرتبہ تھا، انبیاء ورسل کی ترسیل اور صحفِ سماوی کے نزول کا اختتام تھا اور وراثتِ ارضی کی آخری بخشش تھی، یہ امتِ مسلمہ کے ظہور کا پہلا دن تھا، اصح روایت کے مطابق ماہِ ربیع الاول کی ۸ تاریخ (۱۰)، اور عوام میں مشہور قول کے مطابق ۱۲ تاریخ تھی۔ (۱۱) کہ اس امتِ مسلمہ کی بنیاد پڑی، یہ دنیا کے عروج کے بانی کی پیدائش کا دن تھا، اس دن کی عظمت و بزرگی کا کیا بیان ہو سکتا ہے، یہ کائنات کے محسنِ اعظم کی پیدائش کا دن ہے، یہ کرۂ ارضی کی مشترکہ اور بے بہا خوش بختی و سعادت کا دن ہے۔ جس کو یہ کائنات کبھی نہیں بھلا سکتی، آپ ﷺ کی پیدائش تمام جہانوں کے لئے رحمت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (۱۲)

"ہم نے آپ (ﷺ) کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔"

یہ وہ سعادت افروز صبح تھی جس نے کائناتِ ارضی کو رشد و ہدایت کے طلوع کا مژدہ جانفزا سُنایا، یہ وہ مبارک و محمود ساعت تھی جو معمورۂ عالم کے لئے پیغامِ بشارت بنی، عالم کا ذرّہ ذرّہ زبانِ حال سے نغمے گا رہا تھا کہ اب دنیائے ہست وبود کی بدبختی دور ہونے، شرک و کفر کا پردہ چاک ہونے اور سعادتِ عظمیٰ سے کائنات کے معمور ہونے کا وقت آ گیا ہے۔

جس بے سروسامانی کے عالم میں آپ ﷺ نے اس دنیا میں آنکھ کھولی اللہ تعالیٰ نے اس کو ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے!

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ (۱۳)

"کیا اللہ تعالیٰ نے آپ (ﷺ) کو یتیم نہیں پایا پس آپؐ کو ٹھکانا دیا۔

ابھی آپ ﷺ شکمِ مادر میں تھے کہ آپؐ کے والد ماجد اس دنیا سے رخصت ہو گئے اور آپؐ شفقتِ پدری سے محروم ہو گئے۔(۱۴) پھر چھ سال کی عمری میں بہ حالتِ سفر آپؐ کی والدہؐ ماجدہ کا بھی اس دارِ فانی سے انتقال ہو گیا۔(۱۵) اور اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اپنے شفیق دادا سے پرورش کرایا، پھر آٹھ سال کی صغر سنی میں ان کی بھی وفات ہو گئی (۱۶)، اور آپؐ کے چچا نے آپؐ کی پرورش کی۔(۱۲) لمحہ بہ لمحہ بتدریج دنیاوی آسروں کی جدائی کے باوجود خدائے قدوس نے اس دُرِّ یتیم کی تربیت اپنی ذاتِ خاص سے وابستہ فرمائی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ماحول سازگار رہا ہو یا ناسازگار، آپ ﷺ کی تعلیم و تربیت کا معیار اسقدر بلند ہے کہ اس سے بلند معیار متصور نہیں ہے، آپؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ میرے رب نے مجھ کو تعلیم دی پس مجھ کو سب سے بہتر تعلیم دی اور میرے رب نے مجھ کو ادب سکھایا یعنی تربیت دی پس مجھ کو سب سے بہتر ادب سکھایا۔(۱۸)

اللہ تعالیٰ نے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے تین مقصد بیان فرمائے ہیں جیسا کہ ارشاد فرمایا ہے!

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝ وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ (۱۹)

"وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ایک رسول انہی میں سے بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا اور ان کو عقائد باطلہ و اخلاق ذمیمہ سے پاک کرتا ہے اور ان کو حکمت و دانش کی باتیں سکھاتا ہے اور یہ لوگ اس پیغمبر کی بعثت سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔"

(یعنی شرک و کفر اور رسوماتِ جاہلیت میں گرفتار تھے) اور اس زمانے کے موجود لوگوں کے علاوہ دوسرے ان لوگوں کے لئے بھی اسی رسول کو بھیجا جو اس کی امت میں ہونے والے ہیں لیکن ابھی ان میں شامل نہیں ہوئے۔(یعنی خواہ اس وجہ سے کہ وہ اس زمانہ میں موجود تھے اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اور

آپ ﷺ کے بعد کے زمانے میں پیدا ہوں گے۔)

اس آیتِ مبارکہ سے قیامت تک کے تمام لوگ خواہ عربی ہوں یا عجمی آپ ﷺ کی امت میں شامل ہیں اور آپؐ ان سب کے نبی ہیں، اس سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ خاتم النبیین ہیں، قیامت تک آپؐ ہی کی نبوت جاری ہے، آپؐ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی نہیں آئے گا۔

اس آیتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی بعثت کا پہلا مقصد قرآن پاک کی آیات کی تلاوت امت کے سامنے کرنا بتایا گیا ہے اور دوسرا مقصد امت کی تربیت کرنا اور ان کو باطل عقیدوں اور برے اخلاق و عادات سے پاک کرنا بتایا ہے۔ اور تیسرا مقصد کتاب و حکمت کی تعلیم دینا ہے جس میں تمام ضروری دینی علوم کی تعلیم آگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید اور اس کی آیات کی تلاوت کرنا یعنی ان کو پڑھنا ایک مستقل فرض اور ایک علیحدہ مقصد ہے اور ان آیات کے معانی و مطالب کو سمجھنا ایک الگ فرض و مقصد ہے جس طرح قرآن مجید کی آیات کے معانی و مطالب کو سمجھنا اور ان میں بتائے ہوئے اعمال و احکام پر عمل پیرا ہونا فرض اور اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اسی طرح اس کے الفاظ کو پڑھنا بھی ایک مستقل عبادت ہے اور یہ تلاوت انوار و برکات کا موجب اور نجاتِ اُخروی کا سرمایہ ہے اور اس کے معانی و مطالب کو سمجھنا اس کے حقیقی انوار و برکات کو حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید میں سے ایک حرف بھی پڑھے تو اس کے لئے اس کے عوض دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الٓمٓ ایک حرف ہے۔ بلکہ الفٓ ایک حرف ہے لآم ایک حرف ہے اور میٓم ایک حرف ہے (۲۰) یعنی اس کے لئے الٓمٓ کے کہنے پر تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے الٓمٓ کی مثال فرمائی جو حروفِ مقطعات میں سے ہے جس کے متعلق تمام علماء کا اتفاق ہے کہ اس کے معنی اور مراد اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بغیر معنی جانے ہوئے بھی قرآن پاک تلاوت کرنا فرض و عبادتِ مقصودہ اور باعثِ اجر و ثواب ہے اور سمجھ کر پڑھنے والے کے لئے تو اور بھی بہت زیادہ اجر و ثواب اور نور علیٰ نور ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ ''قرآن کریم پڑھو جب تک تمہارے دلوں کا میلان اس کی طرف باقی رہے اور جب اکتا جاؤ تو اس سے اُٹھ کھڑے ہو یعنی پڑھنا بند کر دو''۔(۲۱) قرآن مجید کا معجزہ ہے کہ اس کو کتنی ہی دفعہ پڑھا جائے یہ نیا ہی معلوم ہوتا ہے اور اس کے بار بار پڑھنے سے طبیعت اکتانے کی بجائے سرور و نشاط محسوس کرتی ہے اور اس کے معارف کبھی ختم نہیں ہوتے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے کی مثال حدیث شریف میں ترنجبین کے ساتھ دی گئی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہے، اسی طرح قرآن مجید پڑھنے والا اور اس کے پاس بیٹھنے والے تلاوت کو سن کر ثواب سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان کا ظاہر و باطن منور ہو جاتا ہے۔ جو مؤمن قرآن مجید کی تلاوت سے محروم رہتا ہے اس کی مثال کھجور کی طرح ہے کہ اس کا مزہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو نہیں ہوتی یعنی اس کا باطن ایمان کے نور سے منور تو ہے لیکن تلاوت نہ کرنے کے سبب دوسروں کو نفع نہیں پہنچاتا اور قرآن پڑھنے والے منافق کی مثال ایسی ہے جیسے ریحان کہ اس کی خوشبو تو اچھی ہے لیکن مزہ کڑوا ہے، اسی طرح منافق کی تلاوت سے دوسروں کو تو نفع ہوتا ہے لیکن اس کا باطن ایمان کے نور سے خالی ہے پس خوشبو تو ہے لیکن مزا ندارد۔

بعثت کے دوسرے مقصد یعنی کتاب و حکمت کی تعلیم سے انسان اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر چلنے اور اللہ تعالیٰ کے ناپسندیدہ کاموں سے بچنے کا علم حاصل کرتا اور ان احکام پر عمل کر کے اپنے ظاہر کو شریعت کا پابند کرتا ہے لیکن کسی چیز کا علم ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ شخص اس کے مطابق عمل ضرور کرتا ہے کیونکہ انسان کا نفس جب تک برائیوں سے پاک نہ ہو جائے وہ نیکی کے کاموں میں رکاوٹ ڈالتا اور عمل سے روکتا رہتا ہے اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ایک مقصد تزکیہ کرنا ہے جس کے معنی ظاہری و باطنی نجاست سے پاک کرنا ہے۔ ظاہری نجاست کو تو عام طور پر لوگ جانتے ہیں اور وہ نجاستِ حکمی یعنی حدثِ اکبر و اصغر اور نجاستِ حقیقی یعنی جسم دار نجاست ہے اور باطنی نجاست سے مراد کفر و شرک، غیر اللہ پر اعتماد کلی، اعتقاداتِ فاسدہ اور تکبر، حسد، بغض، حبِ دنیا، حرص، بخل، عناد، کذب، افترا، غیبت اور چغل خوری وغیرہ خصائل رذیلہ ہیں اگرچہ علمی طور پر کتاب و حکمت یعنی قرآن و سنت میں ان سب چیزوں کا بیان موجود ہے لیکن تزکیہ کو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا الگ مقصد قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ جس طرح محض الفاظ کے سمجھنے اور کسی زبان کے سیکھ لینے سے کوئی فن حاصل نہیں ہوتا اور اس فن کی کتاب کے معنی کو سمجھ لینا اس بات کی دلیل نہیں بنتا کہ اس شخص کو وہ فن بہ تمام وکمال حاصل ہو گیا ہے، محض نظری وعلمی طور سے کوئی فن حاصل ہونے سے اس کا استعمال وکمال حاصل نہیں ہوتا، جب تک کہ کسی مربی واستاد کی نگرانی میں اس کی عملی مشق کر کے عادت نہ ڈالی جائے چونکہ تعلیم کا مقصد عمل ہوتا ہے اور عمل وہی درست و قابلِ قبول ہوتا ہے جس میں اخلاص ہو، اس لئے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ہونا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝ (۲۲)

”تم لوگوں میں سے ایسے شخص کے لئے جو اللہ تعالیٰ سے اور آخرت کے دن سے ملنے کی امید رکھتا ہو (یعنی ان پر ایمان لایا ہو) اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ کی ذاتِ ستودہ صفات میں ایک عمدہ اور بہترین نمونہ موجود ہے۔“

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی عملی رہنمائی کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کمالاتِ ظاہری وباطنی سے اکمل درجے تک مزین فرما کر اس دنیا میں بھیجا تاکہ آپ ﷺ قیامت تک ہر دور کے لئے زندگی کے ہر شعبے کا عملی نمونہ لوگوں کو پیش کر سکیں، انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگیاں خدائے علیم و خبیر کی مرضی میں کامل طور پر ڈھل کر نکلتی ہیں اس لئے ان کی ایک ایک بات، ان کا ایک ایک فعل اور ان کی ایک ایک ادا اُمت کے لئے اسوۂ حسنہ کی حیثیت رکھتی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اکمل واتم ہے، آپ ﷺ نے اس دنیا میں تشریف لا کر اختلافات کو مٹایا، اتفاق واتحاد اور اخوت کی بنیادیں استوار کیں، عصبیت اور نسل پرستی کے بت کو توڑا، انسانیت کے مسائلِ زندگی کو حل کیا، کفر وشرک وبدعت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر نور اور روشنی میں لائے، انسان کو خالقِ حقیقی سے ملایا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ اپنے ہم نشینوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیسی تھی؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خندہ پیشانی سے رہتے تھے، نرم خلق والے اور زندگی میں آسانی کو پسند کرنے والے تھے (تاکہ امت پر سہولت ہو) نہ درشت خو تھے نہ بد مزاج، نہ فضول بولنے والے تھے نہ عیب جوئی کرنے والے، جس چیز کی خواہش نہ ہوتی اس سے بے نیازی فرماتے، نہ اس کا عیب بیان کرتے نہ اس میں رغبت ظاہر فرماتے۔ تین چیزیں آپ ﷺ نے از خود ترک فرمادی تھیں۔ شک کرنا، مال کثرت سے جمع کرنا، غیر مفید باتیں کرنا، تین چیزوں سے آپ ﷺ نے لوگوں کو چھوڑ دیا تھا۔ کسی کی مذمت نہیں کرتے تھے، کسی کو شرمندہ نہیں کرتے تھے، کسی کی پوشیدہ بات کا تجسّس نہیں کرتے تھے، صرف وہی کلام کرتے جس میں آپ ﷺ کو ثواب کی امید ہوتی تھی۔ جب گفتگو فرماتے تو سب اہلِ مجلس اس طرح خاموش ہو جاتے جیسے ان کے سروں پر چڑیاں بیٹھی ہیں پھر جب آپ خاموش ہو جاتے تو لوگ کلام کرتے، مسافر و غریب کے بات کرنے یا سوال کرنے میں اس کی بے ادبی پر صبر فرماتے، اس وقت آپؐ کے اصحاب اس شخص کو دُور ہٹانا چاہتے تو آپؐ فرماتے کہ جب کسی ضرورتمند کو دیکھو کہ کچھ طلب کرتا ہے تو اس کی مدد کرو، سوائے تلافی کرنے والے کے اور کسی کی مدح و ثنا قبول نہیں کرتے تھے۔ آپؐ کسی کی بات کو قطع نہ کرتے جب تک کہ وہ خود ہی قطع نہ کردے، حلم و صبر کے جامع تھے، آپؐ کو نہ کوئی چیز غضبناک کرتی نہ بے زار، احتیاط صرف چار باتوں میں منحصر تھی، بدی کے ترک کرنے میں کہ اس سے باز رہیں، بہبودِ امت کے امور میں، عقل سے غور و فکر میں اور ان امور کے قائم کرنے میں جن سے امت کی دنیا و آخرت جمع ہو، اس کو ابنِ سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں تاکہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں۔ (۲۳) آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایسی اخلاقی تربیت فرمائی کہ ان کی نظیر دنیا میں کہیں نہیں ملتی، ایک طرف ان کی عقل و دانش اور علم و حکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا کے فلسفے اُن کے سامنے گرد ہو گئے، دوسری طرف اُن کے تزکیہ باطنی، تعلق مع اللہ اور اعتماد علی اللہ کا یہ درجہ تھا کہ خود قرآن مجید نے ان کی

تعریف کی ہے، یہی وجہ تھی کہ وہ جس طرف جاتے تھے فتح و نصرت ان کے قدم چومتی تھی اور تائیدِ رحمانی ان کے ساتھ ہوتی تھی، ان کے محیر العقول کارنامے آج بھی ہر قوم و ملت کے ذہنوں کو مرعوب کئے ہوئے ہیں یہ سب اسی تعلیم و تربیتِ نبوی ﷺ کے اعلیٰ نتائج ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کامل ترین اسوۂ حسنہ عنایت فرما کر مبعوث فرمایا ہے اور انسان کے اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کرنا، آپ ﷺ کا مقصدِ بعثت ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے!

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۴)

”آپ (ﷺ) کہہ دیجئے اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو پھر اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔“

یعنی جب تم میری لائی ہوئی شریعت پر چلو گے تو پہلے کئے ہوئے گناہوں سے تمہاری توبہ قبول ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف فرما دے گا۔

محبت ایک پوشیدہ چیز ہے کسی کو کسی سے محبت ہے یا نہیں اور کم ہے یا زیادہ ہے اس کا اس کے سوا اور کوئی پیمانہ نہیں ہے کہ اس کے حالات و معاملات سے اندازہ کیا جائے محبت کے کچھ آثار اور علامات ہوتی ہیں، جن سے اس کو پہچانا جا سکتا ہے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ اور اس کا محبوب بننے کی تمنا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس آیتِ مبارکہ میں اپنی محبت کا معیار بتایا ہے کہ اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالکِ حقیقی کی محبت کا دعویٰ ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل طور پر اتباع کرے، جو شخص اپنے دعوے میں جتنا سچا ہو گا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا اسی قدر زیادہ اہتمام کرے گا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی روشنی کو اپنے لئے مشعلِ راہ بنائے گا اور جتنا اپنے دعوے میں کمزور ہو گا اسی قدر اس کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سستی اور کمزوری پائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے!

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۝ (۲۵)

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔

ایک حدیث میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے میرا اتباع کیا اُس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کا اتباع کیا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ (۲۶) ایک اور حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔ (۲۷)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو قرآن حکیم میں ایک جگہ اس طرح بیان فرمایا ہے!

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (۲۸)

"تمہارے پاس تم میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری تکلیف بہت شاق گزرتی ہے وہ تمہاری بھلائی پر حریص ہے، ایمان والوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہے۔"

یعنی اے بنی آدم تمہارا تکلیف و مصیبت اٹھانا حق کے قبول کرنے سے انکار کرنا، اپنی جہالت و معصیت پر ڈٹے رہنا رسول اللہ ﷺ پر شاق گزرتا ہے وہ تمہاری بھلائی اور خیر خواہی کا بھوکا ہے، بنی نوعِ انسان کے ساتھ اس کی خیر خواہی اس کو تمہاری تبلیغ و نصیحت اور اسلام و اخلاقِ حسنہ کی دعوت پر آمادہ کرتی ہے۔

یہ آیتِ مبارکہ اس بات کی شہادت دیتی ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام بنی نوعِ انسان کے خیر خواہ، ہمدرد اور غمگسار تھے اور مسلمانوں پر خصوصیت کے ساتھ مہربان اور شفیق تھے، یہ آپ ﷺ کے اعلیٰ اخلاق کی آسمانی شہادتیں ہیں۔ آپؐ کی سیرتِ مبارکہ قرآن پاک کی عملی تفسیر ہے، ایمان، توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، صدقہ، خیرات، ایثار، قربانی، عزم، استقلال، صبر، شکر، سخاوت، شجاعت، عفت، صداقت، حلم، عدالت، تسلیم، رضا اور ان کے علاوہ اور حسنِ عمل و حسنِ خُلق کی جس قدر تعلیم آپؐ نے فرمائی اُن سب کے لئے آپؐ نے اپنا نمونہ پیش فرمایا، جو کچھ قرآن مجید میں تھا وہ سب آپؐ کی

زندگی میں مجسم عمل ہوکر نظر آیا۔ چند صحابی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا ام المؤمنین ! حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و معمولات بیان فرمایئے ؟ انہوں نے جواب میں فرمایا آپؐ کا اخلاق ہمہ صفت قرآن تھا۔(۲۹) حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ آپؐ نہایت فیاض، بڑے سخی، راست گو، نہایت نرم طبع تھے، لوگ آپ ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے تو خوش ہو جاتے، جو شخص آپؐ کو پہلی دفعہ دیکھتا مرعوب ہو جاتا لیکن جیسے جیسے وہ آپؐ سے ملتا آپؐ سے محبت کرنے لگتا۔(۳۱)

آپؐ کے شمائلِ مبارک کتبِ احادیث وسِیرَ میں نہایت تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں، مثلاً یہ کہ آپ ﷺ کی طبیعت میں نرمی تھی، سخت مزاج نہ تھے کسی کا دل نہ دکھاتے تھے کسی کی عزت کے خلاف کوئی بات نہیں کرتے تھے، چھوٹی چھوٹی باتوں پر لوگوں کا شکریہ ادا کرتے تھے، کسی چیز کو برُا نہیں کہتے تھے، کھانا جیسا سامنے آجاتا کھا لیتے اس میں عیب نہ نکالتے، آپؐ کو اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہیں آتا تھا، نہ کسی سے بدلہ وانتقام لیتے تھے اور نہ کسی کی دل شکنی گوارا کرتے تھے، لیکن اگر کوئی حق کی مخالفت کرتا تو حق کی طرفداری میں آپؐ کو غصہ آجاتا تھا اور آپ حق کی پوری حمایت فرماتے، آپؐ اولاد کے لئے ایک شفیق باپ، ازواج مطہرات کے لئے ایک محبوب خاوند، عزیز واقارب کے لئے ایک مقبول رشتہ دار، ہمسایہ کے لئے ایک غمگسار پڑوسی، اہلِ شہر کے لئے ایک خیر خواہ شہری، قوم کے لئے ایک بہترین مُشیر، ملت کے لئے ایک اعلیٰ رہنما، افواج کے لئے ایک تجربہ کار سپہ سالار، شاگردوں کے لئے ایک مہربان اُستاد، مریدوں کے لئے ایک کامل ترین مرلی و مرشد، انسانیت کے لئے ایک محسنِ اعظم اور تمام ذوی الحیاۃ کے لئے روح رواں تھے۔ بنیادی اقدارِ حیات یعنی صداقت، امانت، عدالت، شجاعت کا مظہر اکمل تھے، الصادق الامین تھے، بالآخر آپ ﷺ نبوت ورسالت کے مشن کی تبلیغ کو انجامِ کار تک پہنچا کر تریسٹھ ۶۳ سال کی عمر میں مشہور روایت کے مطابق ۱۲/ ربیع الاول ۱۱ھ کو پیر کے دن اس عالمِ فانی سے پردہ فرما گئے۔(۳۱) اور رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔

انا للّٰہ وانا الیہ راجعون

آپ ﷺ مدینۂ طیبہ میں مسجد نبوی کے متصل اپنے حجرۂ شریفہ میں آرام فرما ہیں لیکن مسجدِ نبوی کی باربار توسیع کی وجہ سے آپؐ کا حجرۂ شریفہ مسجدِ نبوی کے ایک گوشہ میں آ گیا ہے اور بعد میں اس پر گنبد خضریٰ تعمیر کر کے اس کو مسجد سے ممتاز کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کا فیض تمام کائنات میں قیامِ قیامت تک جاری وساری ہے۔ حفاظ و قراٗ حضرات آیاتِ قرآن کی تلاوت و تعلیم اور علمائے کرام کتاب و حکمت کی تعلیم اور صوفیائے عظام تزکیۂ باطن کے مشن میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس پر استقامت بخشے۔ آمین۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست   اگر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

حوالہ جات

۱........ سورۂ بقرہ، آیت ۲۱۳،

۲........ سورۂ الذاریت، آیت ۵۶،

۳ ...... سورۂ مائدہ، آیت ۳،

۴........ سورۂ احزاب، آیت ۴۰،

۵........ محمد بن عبداللہ الحاکم / المستدرک ج ۲ / ص ۶۳، دار الکتب العلمیہ بیروت طبع اول ۱۹۹۰ء،

۶ .... تفصیل کے لئے دیکھئے، سید سلیمان ندوی / سیرت النبی /ج ۴ / ص ۱۲۱ تا ۱۶۵، دار الاشاعت کراچی ۱۹۸۵ء،

۷ ...... سورۂ آلِ عمران، آیت ۶۴،

۸ ...... سورۂ زمر، آیت ۳،

۹ .... سید سلیمان ندوی، سیرت النبی /ج ۴ / ص ۱۶۴،

۱۰ ...... ابو الفدء اسماعیل بن کثیر / السیرۃ النبویہ، ج ۱، ص ۱۹۸، دار احیاء التراث العربی بیروت، زرقانی / شرح مواہب اللدنیہ، ج ۱، ص ۱۳۲، دار المعرفہ بیروت ۱۹۹۳ء،

۱۱........ ایضاً،

۱۲ ...... سورۂ انبیاء، آیت ۷، ۳۰،

۱۳ ..... سورۂ ضحیٰ، آیت ۶،

۱۴ ..... برہان الدین حلبی / انسان العیون، ج ۱ / ص ۸۱ / دار المعروفہ بیروت، زرقانی / شرح مواهب، ج ۱ / ص ۱۰۹،

۱۵ ..... ابن کثیر / السیرۃ النبویہ / ج ۱ / ص ۲۳۵، ابن سید الناس / عیون الاثر / ج ۱ / ص ۹۹، دار ابن کثیر بیروت ۱۹۹۲ء،

۱۶ ..... ابن ہشام / السیرۃ النبویہ، ج ۱ / ص ۱۹۵، دار المعرفہ، بیروت ۱۹۷۸ء، سید احمد زینی دحلان / السیرۃ النبویہ ج ۱ / ص ۸۰ / دار احیاء التراث العربی بیروت،

۱۷ ..... علی بن برہان الدین الحلبی / انسان العیون، ج ۱، ص ۱۸۵،

۱۸ علی متقی الھندی / کنز العمال، رقم الحدیث ۳۱۸۹۵، التراث الاسلامی، بیروت،

۱۹ ..... سورۃ جمعہ آیت ۲-۳،

۲۰ ..... الترمذی / الجامع السنن، ابواب فضائل القرآن باب ماجاء فی من قراء حرفا من القرآن، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء، دارمی / السنن، ج ۲ / ص ۵۲۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی،

۲۱ ..... بخاری / الصحیح، ج ۳ / ص ۱۶۹، مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر ۱۹۵۳ء، دارمی / السنن، ج ۲ / ص ۵۳۴،

۲۲ ..... سورۂ احزاب، آیت ۲۱،

۲۳ .... مالک بن انس / المؤطاء - کتاب حسن الخلق باب ماجاء فی حسن الخلق، میر محمد کتب خانہ، کراچی،

۲۴ ..... سورۂ آلِ عمران، آیت ۳۱،

۲۵ ..... سورۂ نساء، آیت ۸۰،

۲۶ ..... محمد یوسف کاندھلوی / حیاۃ الصحابہ، ج ۱ / ص ۱۷، دار احیاء التراث العربی، بیروت،

۲۷ .... خطیب العمری / مشکوۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ، فصل ۲، مکتبہ رحمانیہ لاہور،

۲۸ ..... سورۂ یونس، آیت ۱۲۸،

۲۹ ..... مسلم / الصحیح، کتاب صلوۃ المسافرین، باب جامع صلوۃ اللیل، قدیمی کتب خانہ کراچی،

۳۰ ..... ترمذی / الشمائل المحمدیہ، رقم الحدیث ۷، دار الفکر بیروت ۱۹۹۴ء۔ ابن کثیر / السیرۃ النبویہ / ج ۴ / ص ۵۰۷،

۳۱ ..... ابن سید الناس / عیون الاثر / ج ۲ / ص ۴۴۹،